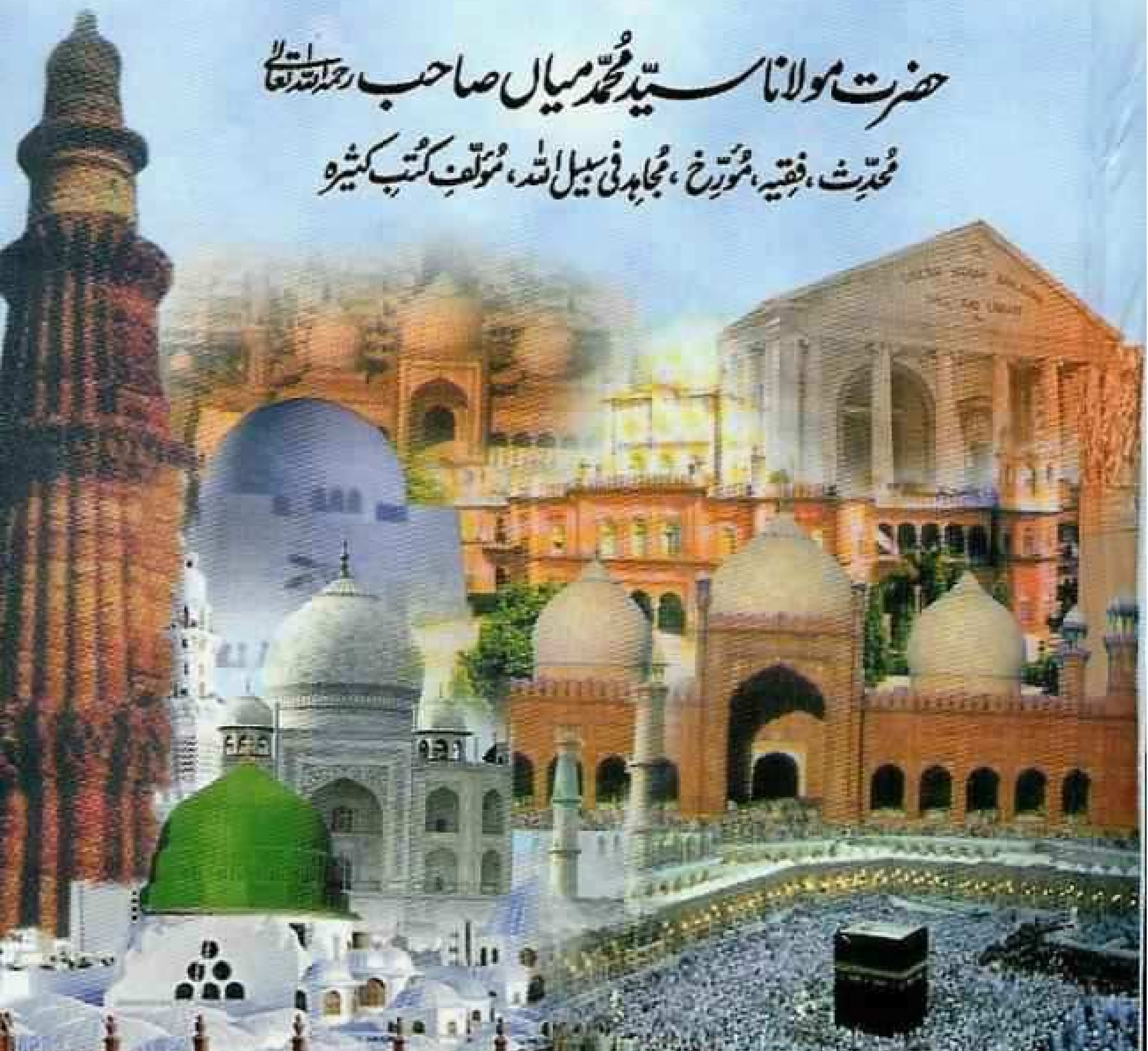
علماءِ ہند کا شاندار ماضی

از

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مورخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ



مکتبہ رشیدیہ نزد مقدس مسجد، اردو بازار، کراچی

علمائے ہند کا شاندار ماضی

جلد اوّل

حضرت مجدد الفِ ثانی قدس سرہٗ، آپکے معاصرینِ کرام اور خلفاءِ عظام کے حالات و کمالات اور اصلاحی کارنامے

از

حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ
محدّث، فقیہ، مؤرّخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلّف کتب کثیرہ

مکتبہ رشیدیہ عائشہ منزل اردو بازار کراچی

عُلماءِ ہند کا شاندار ماضی

(مکمل)

حضرتِ مجددِ الفِ ثانی قدس اللہ سرہ العزیز۔ آپ کے معاصرین کرام، خلفاءِ عظام اور خلفاءِ خلفاء

زیرِ سلطنتِ مغلیہ کے عظیم الشان چار تاجداروں کے حالات۔ اس دو صد و پنجاہ (۲۵۰) سالہ دور کے

سیاسی و معاشی رجحانات و مقتضیات عُلماءِ اُمت کی مجاہدانہ اصلاحی سرگرمیاں اور اُن کے

نتائج وغیرہ پر تفصیل سے روشنی ڈالی گئی ہے:

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ

محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلفِ کتبِ کثیرہ

مکتبہ رشیدیہ — عائشہ منزل، اردو بازار — کراچی

(باجازت مصنف صاحبزادہ مصنف مولانا سید حامد میاں صاحب رحمۃ اللہ)

سال اشاعت ۱۴۱۲ھ ۱۹۹۱ء

نام کتاب .... علماء ہند کا شاندار ماضی جلد اول

نام مصنف .... حضرت مولانا سید محمد میاں دیوبندیؒ

ناشر .... مکتبہ رشیدیہ کراچی ۱

مطبع .... المخزن پرنٹرز کراچی ۱

تعداد .... ایک ہزار (۱۰۰۰)

صفحات .... (۵۹۲)

ملنے کے پتے

مکتبہ رشیدیہ .... نزد مقدس مسجد اردو بازار کراچی ۱

مکتبہ محمودیہ .... کریم پارک، راوی روڈ، لاہور

مکتبہ قاسمیہ .... الفضل مارکیٹ اردو بازار لاہور

مکتبہ رحمانیہ .... اردو بازار لاہور

نذر

ایک ناکارہ و سرگرداں نے دیدہ ریزی اور دل سوزی سے ہزارہا اوراق کو پلٹ کر ایک مجموعہ مرتب کیا ہے۔ پورے عجز و انکسار اور اعتراف تقصیر کے ساتھ اس حقیر ہدیہ کو ان اکابر ملت کی خدمت میں پیش کر رہا ہے جن کی سبق آموز اور مقدس سوانح حیات کے چند ذرات سے یہ مجموعہ مرکب ہے اور التجا ہے

آیا بود کہ گوشۂ چشمے بما کنند

مقصد

ہم نے اپنے مقدس اکابر کو زہد، تقشف، چلہ کشی، شب بیداری، سبحہ خوانی، سجدہ ریزی کے چشمہ سے دیکھا تو بہت جلیل القدر اور عظیم الشان نظر آئے۔ آیئے اب مکہ کی مظلومیت، طائف کی مقہوریت، ہجرت وطن، ترک اقارب، غار ثور کی روپوشی، بدر کی نصرت، اُحد کی شہادت، فتح مکہ کی مسرت، حنین و ثقیف کی سطوت، تبوک کی شوکت وغیرہ وغیرہ شئون جہاد و سیاست کے چلمن سے نظر ڈالیں کیسے نظر آتے ہیں

ہمارا حال ماضی کا ثمرہ اور مستقبل کا سنگ بنیاد ہے — آیئے تاریخ ماضی سے اپنے مستقبل کے لیے کچھ سبق حاصل کریں

الداعی

محمد میاں عفی عنہ

۱۵ شوال ۱۳۵۸ھ

کا ارادہ کرنے لگے۔ چنانچہ خلیفۂ اعظم حضرت مجدد صاحب قدس اللہ سرہ العزیز نے فرمایا:

اُمید حیات کم ماند، از احوال اطفال خبردار باید بود۔

پنجم جمادی الاُخریٰ ۱۰۱۲ھ (ایک ہزار بارہ) کو سلسلۂ نقشبندیہ کے اس شجرِ طوبےٰ نے اپنی جگہ دوسروں کے حوالہ کی۔ دونوں بچے مجدد الف ثانی کی تربیت میں آئے جن کو وہ ایک مرتبہ حضرت خواجہ کے حکم سے اُن کی زندگی ہی میں توجہ دے چکے تھے۔ سنِ تمیز کو پہنچ کر دونوں صاحبزادوں نے فضائل صوری و معنوی کی دولت حاصل کی۔ خواجہ کلاں نے تذکرۂ مشائخ تالیف فرمایا جس میں تقریباً ایک لاکھ بیت تھے۔ اور پھر ۱۸ر جمادی الاولیٰ ۱۰۷۴ھ (ایک ہزار چوہتر) کو بارِ تکلیف سے سُبک بار ہوگئے۔

حضرت خواجہ خورد، صورت و سیرت میں پدر بزرگوار سے پوری مشابہت رکھتے تھے۔ حافظِ قرآن تھے۔ پوری مستعدی سے عُلوم نقلی و عقلی حاصل کئے۔ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ حضرت مجدد صاحب کے آغوشِ عطوفت میں رہ کر خرقۂ خلافت حاصل کیا۔ چند کتابوں کے حواشی مرتب فرمائے، اور پھر بڑے بھائی سے تقریباً ایک سال بعد والد صاحب کی وفات کی تاریخ یعنی پنجم جمادی الاُخریٰ ۱۰۷۵ھ (ایک ہزار پچھتر ہجری) کو جامِ فنا نوش جاں فرمایا۔

ہر آنکہ زاد بناچار بایدش نوشید ز جامِ دہر مئے کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَان

شاہ عبد الرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ حضرت خواجہ خورد نے آخر عمر میں مجھ سے فرمایا تھا کہ رشتۂ فرزندی کا لحاظ کر کے مجھے حضرت خواجہ باقی باللہ کے مزار کی برابر نہ دفن کیا جائے بلکہ اُس جگہ دفن کیا جائے جہاں جوتے نکلے جاتے ہیں، میں اسی جگہ کے لائق ہوں۔

میں نے عرض کیا کہ دفن کرنے کے متعلق مجھے کیا اختیار، یہ کام آپکے وارثوں کا ہوگا فرمایا تم کہہ دینا۔ حضرت شاہ صاحب فرماتے ہیں "گفتم کہ وصیتِ خواجہ ایں ست، گوش نہ کردند"[1]۔

---

[1] انفاس العارفین ص۱۹۰

تحریکِ مہدویت

سیّد محمد مہدی جونپوری۔ شیخ عبد اللہ نیازی۔ شیخ علائی رحمہم اللہ تعالےٰ

مجدد الف ثانی اور آپ کے خلفاء نے جن اُبھرے ہوئے فتنوں کو دبایا جن خرابیوں کی اصلاح کی اور دین و ملت کی جس پژمردگی کو شادابی سے بدلا، اُن کا ذکر کیا جاچکا ہے۔ لیکن اسی موسم خزاں کی ایک بادِ سموم وہ بھی تھی جس کو تحریک مہدویت یا فتنۂ مہدویت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

ابتداء میں یہ تحریک ممکن ہے گلشن اسلام کی بادِ نسیم بھی ہو، مگر دسویں صدی کے وسط میں اہلِ زمانہ کی مسموم طبائع، اور زمانہ کی زہریلی فضا نے یقیناً اس کو بادِ سموم بنا دیا تھا۔ حضرت مجدد صاحب کی عمومی دعوت "اتباعِ سُنّت" اور "تمسک بظاہر الشریعت" میں اگرچہ تمام ہی فتنوں کی اصلاح آجاتی ہے "کُلُّ الصید فی جوف الفرا" مگر خصوصی طور پر اس تحریک کی مخالفت کے لئے اس اولوالعزم مجدد کی ہمت عالی بظاہر متوجہ نہیں ہوئی، اور اس کا سبب بظاہر یہ بھی تھا کہ خود اکبر اور اس کے اعوان و انصار اس تحریک کے مخالف تھے۔

بساطِ سیاست کا صرف ایک مہرۂ "خان خاناں" کچھ دنوں کے لئے اس تحریک کے الجھاؤ میں پھنس گیا تھا۔ اُسی کو حضرت مجدد صاحب نے نکال لیا۔ لہٰذا حضرت مجدد صاحب کے سوانح اور حالات بیان کرتے ہوئے اس تحریک کا بیان کرنا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ لیکن اجمالی اشارات کے بغیر دورِ مجددی کو ختم کر دینا بھی یقیناً ایک کوتاہی ہوگا، جس کو عمداً گوارا نہیں کیا جاسکتا۔

علاوہ ازیں دورِ مجددی کے سلسلہ میں جب کہ شیخ علی متقی اور شیخ محمد بن طاہر پٹنی کا ذکر ان اوراق میں بیان کیا جائے گا۔ تو ضروری ہے کہ ان کے مدِ مقابل فرقۂ مہدویہ کے بانی اور شیوخ کا بھی کچھ تذکرہ آجاتے۔

اس تحریک کو بیان کرنے کے لئے ہمیں حضرت مجدد کے زمانۂ پیدائش سے بھی ایک سو برس پیچھے ہٹنا پڑے گا۔ مگر اس کو نظر انداز کر دینے میں جو کوتاہی ہوگی، اس کی تلافی کیلئے اس رجعتِ قہقری میں خرابی نہیں معلوم ہوتی۔

بانیٔ مہدویت | یہ عجیب بات ہے کہ تحریکِ مہدویت کا جس کو بانی کہا جاتا ہے بقول محققین وہ اس تحریک کا ذمہ دار نہ تھا۔

سید محمد جونپوری کو مہدی کہا گیا۔ اُن کے نام پر ایک فرقہ پیدا ہؤا، اور پھر اُس نے وہ عقائد اور خیالات پیش کئے، جن کو علماء ملت نے متفقہ طور پر غلط قرار دیا۔

سید محمد کے متعلق ابو الفضل کی تحریر ہے:

پور سید اویسی ست۔ از فراواں روحانیت فیض گرفتہ۔ و بر صوری و معنوی علم چیرہ دست از شوریدگی دعوئے مہدویت کرد و بسیارے مردم برو گرویدند۔ بسا خارق ازو برگذارند، و سرچشمۂ مہدویت او، از جونپور بگجرات شد و سلطان محمود کلاں بہ بنائش بر خاست، و از تنگ چشمی زمانیاں بہ ہند نیارست۔ بود و باش ایران نمود، و در فرہ در گذشت، و ہمانجا آسود۔ (ص ۱۷۲ آئین اکبری جلد سوم)

دورِ حاضر کے علامہ فرید اور محقق وحید، مولانا ابو الکلام آزاد اپنی مشہور تصنیف تذکرہ میں فرماتے ہیں:

سید محمد جونپور کے رہنے والے تھے، ۸۴۷ھ میں پیدا ہوئے۔

ان کے اشد شدید مخالف بھی معترف ہیں کہ علومِ رسمیہ کے ساتھ زہد و درویشی اور ورع و تقویٰ میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔

شیخ علی متقی (جو سید کے معاصر اور سخت مخالف ہیں اور ان کے رد میں رسالہ لکھا ہے) تسلیم کرتے ہیں کہ ان کا ابتدائی عہد کمال زہد و تقشف اور استغراق و انہماکِ باطنی میں گذرا۔ سات سال تک یہ حال رہا کہ پے درپے روزہ رکھتے، اور تن تنہا ایک گوشہ میں پڑے رہتے۔ اسی اثناء میں ان پر ایک سانحہ وارد ہؤا، اور معلوم ہوا ــــ کہ "انت المہدی" کی صدا آرہی ہے۔ برسوں تک متأمل رہے اور جب پے درپے یہی معاملہ پیش آیا تو اپنے مہدی ہونے کا اعلان کیا۔ نویں صدی کا وہ زمانہ جو اکبر سے پہلے گذرا ہندوستان میں سخت بدامنی اور طوائف الملوکی کا زمانہ تھا۔ روز بادشاہتیں بنتی اور بگڑتی تھیں، اور کوئی مرکزی حکومت باقی نہیں رہی تھی جو احکامِ شرع کے قیام و اجراء کی ذمہ دار ہوتی۔ علماء حقانی بہت کم اور علماء دنیا ہر طرف پھیلے ہوئے تھے۔ دُنیا طلبی اور مکر و زور کی گرم بازاری تھی اور سب سے زیادہ یہ کہ جاہل صوفیوں کی بدعات و منکرات نے ایک عالم کو گمراہ کر رکھا تھا۔

یہ حال دیکھ کر سید موصوف نے احیاء شریعت اور قیامِ امر بالمعروف کا غلغلہ بلند کیا کہ اب نہ کسی مجاہدہ کی ضرورت ہے اور نہ ذکر و شغل کی۔

سب سے بڑا مجاہدہ یہی ہے کہ خلق اللہ کو سیدھی راہ پر لگاؤ، اور احکامِ شرعیہ کے قیام کی راہ میں اپنی جانیں تک لڑا دو۔

عشق کی صداقت اور قلب کی پاکی نے ان کی دعوت و تذکیر میں ایسی تاثیر بخشی تھی کہ تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں آدمی حلقۂ ارادت میں داخل ہوگئے اور متعدد سلاطینِ وقت نے ان سے بیعت کی۔

ان لوگوں کے طور و طریق کچھ عجیب عاشقانہ و والہانہ تھے، اور ایسے تھے کہ صحابۂ کرام کے خصائصِ ایمانی کی یاد تازہ کرتے تھے۔ عشقِ الٰہی کی ایک جاں سپار جماعت تھی جس نے اپنے خون کے رشتوں اور وطن و زمین کی الفتوں کو ایمان کے رشتہ پر قربان کر دیا تھا اور سب کچھ چھوڑ کر راہِ حق میں ایک دوسرے کے رفیق و غم گسار بن گئے تھے۔ امیر فقیر، اعلیٰ ادنیٰ

سب ایک ہی حال میں بستے، اور بجز خلق اللہ کی ہدایت و خدمت اور احکام شرع کے اجراء و قیام کے اور کسی سے کام نہ رکھتے تھے۔

ایک حکم یہ تھا کہ پہلی منزل ہجرت کی ہے۔ جو اس راہ میں قدم رکھے، سب سے پہلے چاہیئے کہ قیدِ وطن سے آزاد ہو اور گھر بار چھوڑ کر اپنے برادرانِ وطن کا ساتھی بن جائے۔

دوسری منزل ترکِ مال کی ہے لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔ پس مال کسی ایک فردِ واحد کا نہیں ہو سکتا، جس کے پاس جو کچھ ہو، اپنے رفیقانِ طریقت میں بانٹ دے۔

تیسری منزل ترکِ جان کی ہے فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۔ پس ہر وقت راہِ حق میں سربکف رہو، اور اعدائے شریعت و حق، اگر فرقان و میزان سے نہ جھکیں تو قوتِ حدید سے کام لو۔ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ۔

اور اس میں شک نہیں کہ یہ جتنی باتیں تھیں حق تھیں۔ آگے چل کر نادان معتقدوں نے اُن کو کچھ سے کچھ بنا دیا۔ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَ اَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ۔

ترکِ جاں و ترکِ مال و ترکِ سر در طریقِ عشق اوّل منزل ست

یہ تمام حالات ان موافقین و مخالفین سب نے لکھے ہیں۔ مثلاً مخالفین میں شیخ علی متقی، شیخ ابنِ حجر مکی، شیخ عبدالحق محدث دہلوی اور شیخ اسعد مکی وغیرہم۔

اور موافقین میں خود اُن کے معتقدین مثلاً اخوند میر، شیخ دلاور، شہاب الدین، میاں قاسم، اور صاحبِ شواہد و مطلع الولایۃ وغیرہم۔

لیکن معتقدین نے ان امور پر قوانینِ شرع کا رنگ چڑھا دیا۔ مثلاً سید محمد نے تکمیلِ انقطاع و ایثار و محبت کے لئے مال تقسیم کر دینے کا حکم تھا۔

معتقدین نے اس کو یہاں تک بڑھا دیا کہ جب مال پر سب کا حق ہے تو پھر ورثہ و ترکہ کیسا۔ عزیز و اقارب کو بھی کچھ نہیں ملنا چاہیئے۔ اور پھر اس کو قانونِ توریث کے مقابلہ

میں ایک قانونِ شرعی سمجھا۔ مخالفین نے اس کا ردّ کیا کہ یہ شریعت سے انحراف ہے۔ اور حکمِ توریث کو کہ نصِ قطعی سے ثابت ہے باطل کرتا ہے۔ اور پھر تکفیر و تضلیل کے لئے اس کو حجت ٹھہرایا۔ اس طرح موافق اور مخالف دونوں اصلیت سے دُور جا پڑے۔ (تذکرہ ص۲۶۳ تا ص۲۶۹ جلد ۱) الغرض اس قسم کے مسائل میں ردّ و قدح یہاں تک بڑھی، کہ علماءِ سوء اور مشائخ دنیا پرست کا تو کہنا ہی کیا، جو لوگ صداقت پسند تھے، ان میں سے بھی بعض غلط فہمیوں میں مبتلا ہو گئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ہر طرف سے مخالفت ہونے لگی۔ پہلے تضلیل و تکفیر کا سلسلہ چلا، پھر قتل و سلب تک نوبت پہنچی۔

مخالفت کا بڑا سبب یہ ہوا کہ یہ لوگ اعلانِ حق میں بڑے ہی بیباک اور سخت تھے، اور سب سے زیادہ علماءِ دنیا کو اُن کی ہوا پرستیوں اور غفلتوں پر سرزنش کرتے تھے۔ جب مخالفت کا بہت زور ہوا تو سید محمد صاحب گجرات چلے گئے۔ سلطان محمود کلاں صورت دیکھتے ہی معتقد ہو گیا۔ لیکن علماء نے وہاں بھی مخالفت کی مجبوراً حجاز و عرب کا رُخ کیا۔ وہاں سے ایران گئے۔ سلطان اسمٰعیل صفوی کا زمانہ تھا۔ اُس نے ہجومِ خلائق دیکھا تو نکل جانے کا حکم دیا۔ ہندوستان کی طرف دوبارہ آ رہے تھے کہ فراہ میں انتقال ہو گیا۔ مُلا عبدالقادر بدایونی ۹۱۱ھ (نو سو گیارہ) کے واقعات میں لکھتے ہیں:

دریں سال میر سید محمد جونپوری قدس اللہ سرہ از اعاظم اولیا، کہ یکبار کہ دعوائے مہدویت از سر بر زدہ بود۔ ہنگامِ مراجعت از مکہ معظمہ بہ ہند در بلدہ فراہ داعیٔ اجل لبیک فرمود، قاضی حسین زرگر قندھاری کہ فقیر او را دیدہ و میر را ملازمت کردہ بود۔ ایں تاریخ یافتہ:

گفتا کہ برد ——— ز شیخ کن استغفار

سید صاحب موصوف کے متعلق مُلا عبدالقادر جیسے نقاد کے الفاظ یہ ہیں۔ اور لطف یہ ہے کہ مُلا صاحب کے ہم عصر مولانا عبدالحق صاحب محدث تحریر فرماتے ہیں:

در اعتقادِ سید محمد جونپوری بر کہ ایکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم داشت و رسید سید محمد را نیز بود۔ فرق ہمیں ست کہ آنجا بالاصالت بود، و ایں جا بہ تبعیت۔ و بہ تبعیت رسول بجائے رسیدہ کہ ہمچو او شد (تذکرہ ص۳۰)۔

مصنف "تذکرہ" تحریر فرماتے ہیں:

لیکن شیخ صاحب نے یہ نہیں لکھا کہ سید صاحب موصوف نے یہ باتیں خود کہیں یا اُن کے مریدین کا استنباط اور پیر پرستانہ منقبت سرائی ہے۔ خود سید موصوف نے کوئی کتاب نہیں لکھی۔ "اُم العقائد" جو اُن کی جانب منسوب ہے وہ بھی اُن کے مریدوں کی لکھی ہوئی ہے۔ صاحب "ہدیہ مہدویہ" نے اس کی عبارتیں نقل کی ہیں اور ان میں بلاشبہ اس طرح کی باتیں پائی جاتی ہیں۔ لیکن قطع نظر وسعتِ میدانِ تاویل کے ان کا انتساب خود سید محمد کی جانب مشکوک و محل نظر ہے (تذکرہ ص۳۰)۔

برتقدیر صحت انتساب مولانا ابوالکلام آزاد ان کلمات کو حالت سُکر و جذب کے شطحیات پر محمول کرنے کی سفارش کرتے ہیں۔

نہ من تنہا دریں مے خانہ مستم   جنید و شبلی و عطار ہم مست

لالہ ساغر گیر و نرگس مست بر ما نام فسق
داوری خواہم مگر یا رب کرا داور کنم؟

مولانا آزاد نے بطور فیصلہ بڑی اچھی بات فرمائی ہے۔

بڑی دقت ان لوگوں کو معانی کی فراوانی و وسعت اور الفاظ کی تنگنائی و نامساعدت سے پیش آتی ہے۔ ناچار ہنگامِ تعبیر و بیان جو الفاظ سامنے آجاتے ہیں، انہیں سے کام لینا پڑتا ہے۔ نافہموں کے لئے وہ الفاظ فتنہ بن جاتے ہیں۔ مقلدین اور معتقدین اُن کو حجت گردانتے ہیں، اور منکرین و متعصبین آلہ انکار و تکفیر۔ لیکن اربابِ حق واقتصاد یا تو اُن کی تاویل کرتے ہیں یا ان کے معاملہ کو عالم السرائر کے حوالہ کر دیتے ہیں۔ البتہ عمل واعتقاد ہر حال میں احکام شریعت و ظواہر نصوص کتاب و سنت پر ہے۔ اور ان کے سوا کوئی نہیں جو

معیار حق و باطل اور حجۃ و برہان ہو (تذکرہ ص۳۳)

چنانچہ اکثر اہل اللہ اور علماء حق کی نسبت منقول ہے کہ سید محمد جونپوری اور ان کی جماعت سے حسنِ ظن رکھتے تھے، یا اقلاً ان کے بارے میں توقف اور سکوت کو کام میں لاتے تھے۔

حضرت شیخ داؤد جہنی وال اور مولانا جمال الدین کی رائے چند صفحات کے بعد ملاحظہ سے گذرے گی۔ شیخ وجیہ الدین گجراتی جو اس وقت کے بہت بڑے عالم تھے اور جن کا ترجمہ اخبار الاخیار اور مآثر الکرام میں موجود ہے، اُن کے سامنے جب سید موصوف اور ان کے بعض اتباع کی تکفیر کا فتویٰ پیش کیا، تو دستخط کرنے سے انکار کر دیا۔ اور کہا کہ جو جماعت دُنیا کو چھوڑ کر وقفِ حق پرستی ہے، میرا قلم اُس کی مخالفت میں نہیں اُٹھ سکتا۔ شیخ علی متقی نے اگرچہ فرقہ مہدویہ کے غلو اور محدثات کی رد میں رسالہ لکھا، لیکن خود سید صاحب موصوف کی نسبت لکھتے ہیں کہ کف لسان اولیٰ ہے۔

شیخ بڈھا دانا پوری کہ اس عہد کے استاذ الاساتذہ تھے، اور سید رفیع الدین محدث کہ بہ یک واسطہ حافظ عسقلانی کے شاگرد تھے، شیخ عبدالقادر بدایونی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ "با مہدویہ حسنِ ظن داشتند"۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کا قول شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک مکتوب میں نقل کیا ہے کہ سید محمد "عالمِ حق" اور "واصل باللہ" تھے۔ بعض خواطر اور واردات اُن پر ایسے گذرے کہ اُن کے درک و فہم میں درماندہ و عاجز رہ گئے اور خود اپنے مقام کی نسبت دھوکے میں پڑ گئے۔ یہ بات نہ تھی کہ انہوں نے دانستہ غلط دعویٰ کیا ہو۔

حضرت مجدد صاحب اور مرزا مظہر جانجاناں سے بھی ایسا ہی منقول ہے (تذکرہ ص۴۰ جلد ۱)۔

۱؎ چند صفحات بعد اس کتاب میں بھی ملاحظہ فرمائیں گے۔ ۲؎ یعنی وہ حضرات جو سید صاحب کی شطحیات کو جزو دین نہیں تسلیم کرتے تھے۔ البتہ جو لوگ خلافِ شرع اُمور اور کلمات کو جزو دین بنا لیں اُن کے زندقہ اور کفر و الحاد میں کس کو تامل ہو سکتا ہے۔

صاحبِ تذکرہ فرماتے ہیں:

میرا خیال یہ ہے کہ سید محمد اپنے اس دعوے میں سچے تھے کہ میں مہدی ہوں، اور ملک کی جو حالت اس وقت ہو رہی تھی وہ یقیناً ایک مہدی ہی کے ظہور ہی کی متقاضی اور منتظر تھی۔ نہ کہ ایک مضل اور دجّال کی۔ البتہ غلطی یہ ہوئی کہ لفظ مہدی کو انھوں نے مہدی آخرالزماں سمجھ لیا۔ کیونکہ شہرت و انتظارِ عام طور پر اسی مہدی کی نسبت ہے، اور جب لفظ مہدی بولا جاتا ہے تو سب سے پہلے ذہن اسی کی طرف منتقل ہوتا ہے۔ اور یہ رائے بھی اس صورت میں ہے جب کہ خود اُن کی نسبت مہدی آخرالزماں ہونے کا مدعی ہونا قطعی طور پر ثابت ہو جائے۔ ورنہ بہت ممکن ہے کہ اُن کے قلب پر جو وارد گذرا ہو، وہ صرف یہ ہو کہ "انت المهدی" یعنی تُو ہدایت یافتہ ہے۔ اور اسی کا انھوں نے اظہار کیا ہو۔ اور معتقدین نے شہرتِ عام کی بنا پر مہدی آخرالزماں سمجھ کر تمام علامات و آثار مرویّہ کو اُن پر چسپاں کرنا شروع کر دیا ہو۔ ("تذکرہ۔ حاشیہ ص ۴۰ و ۴۱")۔

خاکسار کاتب الحروف کے خیال میں یہ دعوے زلّۃ اور لغزش سے کسی حال میں بھی خالی نہیں۔ لغوی معنی کا لحاظ کیا جائے تو سیّد محمد ہی کی کیا تخصیص ہے، ہر ایک کفر و جہل گمراہی اور ضلالت کے مقابلہ میں مسلمان کا قلبی اذعان و یقین اور رُوحانی اطمینان و سکون یہی ہونا چاہیئے کہ انا المهدی "میں ہی ہوں ہدایت یافتہ"۔

اور صرف ایک آوازِ غیبی نہیں، بلکہ ربّ العالمین اور معبود برحق کی مخلوقات کے ہر ایک ذرہ کی یہی آواز اس کے گوشِ دل میں پڑنی چاہیئے کہ "انت المهدی" اور بلا شبہ اگر اس کا دامنِ عقیدت ایمان بالغیب کی دولت سے پُر ہے، اقامِ الصلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کے عملی گلدستوں سے وہ آراستہ ہے، انبیاء سابقین اور خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی پیش فرمودہ کتابوں پر ایمان رکھتا ہے تو کلامِ الٰہی کی سب سے بڑی سورت کی سب سے پہلی آیت اس کے ہدایت یافتہ اور مفلح و کامیاب ہونے کی بشارت دے رہی ہے۔ أُولَٰئِكَ عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ۔

لیکن کیا اس کو یہ بھی حق پہنچتا ہے کہ اہلِ اسلام کے سامنے اپنی مہدویت کا اعلان کرتے ہوئے اُن کو اس کے تسلیم کرنے کی دعوت دے۔

لفظ مہدی، احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایک خاص اصطلاح یا خاص لقب کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

وہی حدیث جو مہدی کے متعلق پیشین گوئی ہے، خاص خاص علامتوں کو بیان کر کے اُس کی تشخیص اور تعیین کرتی ہے۔ مثلاً عیسائیوں اور یہودیوں کے ساتھ مسلمانوں کی شدید جنگ ہوگی۔ قسطنطنیہ مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا ہوگا۔ یہ مہدی خزائن اور دفائنِ کعبہ کو تقسیم کرے گا۔ کامیاب جہاد کا علمبردار ہوگا۔ وغیرہ وغیرہ۔

اب کوئی سیّد یا شیخ ان تمام علامتوں کو نظر انداز کر کے اس پیشین گوئی کے صرف لفظ مہدی کو منتخب کرے تو کیا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ والی مثال اس پر چسپاں نہ ہوگی؟

اور کیا کسی متّبعِ سُنّت کی ہمت ہو سکتی ہے کہ فرامینِ نبوت (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے مقابلہ پر اس قسم کی جرأت کرے۔

اور اگر وہ کسی غیبی بشارت کی بنا پر بھی ایسی بات کہہ رہا ہے تو مسلمانوں کو اور خود اُس کو فیصلہ کرنا ہے کہ اُس کی بشارت کا اعتبار ہوگا یا صادق و مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش فرمودہ بشارت کا۔

وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ۔

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ۔

وغیرہ جیسی ازلی اور ابدی تصدیقات، اس تہی دامان وحی والہام کے پاس ہیں یا ربّ العالمین کے اُس کامل و مکمّل بندے کے پاس جس کو شاہد و مبشّر بنا کر مبعوث فرمایا گیا۔

بحث کی جاتی ہے کہ لغوی معنی کا لحاظ کرتے ہوئے کسی لفظ کے اطلاق میں کیا خرابی ہے؟

لیکن جب ایک رکیک ترین، اور تارِ عنکبوت سے بھی زیادہ کمزور نظامِ حکومت

میں جس میں بہتر سے بہتر خدمت اور زیادہ سے زیادہ جاں نثاری اور جاں سپاری کے معاوضہ میں چند الفاظ دیئے جاتے ہیں۔ مثلاً ہز ہائی نس، ہز ایکسیلینسی، نائٹ، سر، وغیرہ تو یہ جائز نہیں ہوتا کہ الفاظ کو ہر شخص استعمال کرنے لگے، اور بلاشبہ بہت بڑی مکاری، عیاری، بغاوت اور جعل سازی ہوگی کہ بارگاہِ شہنشاہیت کا راندہ اور خارج شدہ یا وہ گمنام حقیر اور فقیر بے نوا جو بارگاہِ شہنشاہی کا رُخ بھی نہ کر سکتا ہو، اپنے متعلق "ہز ایکسیلینسی" کا دعویٰ کرکے عام باشندگانِ مُلک سے اسی اعزاز و توقیر اسی اطاعت اور فرماں برداری کا خواہاں ہو، جو کسی ہز ایکسیلینسی کے لئے پیش کی جاتی ہے۔ تو اب آپ غور فرمایئے کہ اُس شخص کی چال بازی، مکاری اور دغا بازی کس درجہ مستحقِ لعنت ہوگی جو اُس مقدس، محکم، ازلی اور ابدی نظام کے کسی خطاب[1] کو جس کے ساتھ دنیاوی اور اُخروی عظمتیں اور سعادتیں پیوست ہیں اور جس کے ہر ایک شوشہ کے ساتھ غیر فانی نعمتوں کے غیر منقطع سلسلے وابستہ کر دیئے گئے ہیں، خود سے اپنے لئے اختیار کرے۔ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْہِ شَیْءٌ (قرآن حکیم)

بلاشبہ یہ جعل، یہ تصنع، یہ اختراع اُس اعلیٰ اور اقدس نظام کے حق میں انتہائی دیدہ دلیری، انتہائی گستاخی اور غیر قابل عفو جسارت ہے۔

یہی سبب ہے کہ احادیثِ نبویہ میں ہر ایسے شخص کو دجّال یعنی جعلباز اور سازشی قرار دیا گیا، جو اپنے لئے لفظ نبی کا اطلاق کرے۔ اگرچہ معنیٰ کا لحاظ کرتے ہوئے یہاں بھی گنجائش نکل سکتی تھی۔

لفظ مہدی اگرچہ لفظ نبی کے لحاظ سے بہت ادنیٰ ہے۔ لفظ نبی کا اطلاق کفر اور اسلام کا معیار بن جاتا ہے۔ کیونکہ بلا تفریق و تقسیم ہر ایک برحق نبی پر ایمان واجب ہے۔

---

[1] باری تعالےٰ عزاسمہ کے مخصوص اسماء مثلاً رحمٰن، صمد، عالم الغیب وغیرہ کی بھی یہی شان ہے اور یہی سبب ہے کہ علماء اور فقہاء شریعت نے کسی انسان کے لئے ان الفاظ کا اطلاق ناجائز حرام اور بعض صورتوں میں کفر قرار دیا ہے۔ واللّٰہ اعلم بالصواب۔ محمد میاں عفی عنہ

لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ۔ اور لفظ مہدی یہ معیاری حیثیت یقیناً نہیں رکھتا۔ مگر تاہم غیر مستحق اور غیر جائز ادعا کا ارتکاب ہے۔

حضرت مجدد صاحب کا وسیع اور فسیح ظرف اس لحاظ سے بھی قابلِ صد ستائش و مستحق ہزار تحسین ہے کہ ہر ایک کارخانۂ عجیب و غریب کے مشاہدہ و ملاحظہ کے باوجود آپ کا پائے استقامت اس حد سے آگے نہیں بڑھا جو سنتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور بشارتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام نے قائم فرما دی تھی۔

شیخ عبداللہ نیازی اور شیخ علائی اس جملہ معترضہ کے بعد ہم پھر حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کی تحریر کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

سید محمد جونپوری کے انتقال کے بعد اُن کی جماعت اور زیادہ پھلی پھولی، اور بڑے بڑے اہل اللہ اس میں داخل ہوئے۔ ازانجملہ شیخ عبداللہ نیازی اور اُن کے مُرید شیخ علائی رحمہما اللہ تھے، جنہوں نے بیانہ میں قیام کیا، اور اپنے عَلَمِ حق اور اخلاص و ایثار کی تاثیر سے سینکڑوں جانبازوں اور حق پرستوں کو معتقد و مرید بنا لیا۔ مُلا عبدالقادر بدایونی نے منتخب التواریخ اور نجات الرشید میں اور نظام الدین ہروی نے طبقات میں ان لوگوں کے مفصل حالات لکھے ہیں۔ مگر زیادہ تفصیل تذکرۃ الواصلین میں بضمن حالات حضرت شیخ داؤد ملتی ہے۔

شیخ عبداللہ نیازی اُس زمانہ کے ایک مشہور پیر طریقت اور شیخ سلیم چشتی کے سربرآوردہ خلفاء میں سے تھے۔ لیکن بعد کو مہدوی ہوگئے اور مشیخت و زہد فروشی کا تمام کاروبار تاراج کر کے درویشی و نامرادی کی وضع اختیار کر لی۔[1]

در خرمنِ صد زاہد و عاقل زند آتش
آں داغ کہ ما بر دل دیوانہ نہادیم

بیانہ میں شہر سے باہر ایک ویران باغ تھا۔ وہیں مٹی کا حجرہ بنا لیا اور مقیم

---

[1] تذکرہ ص۳۲ تا ۴۹ و ص۵۳ تا ۵۶ بحذف و اختصار۔

ہوگئے۔ اپنے ہاتھ سے پانی بھرتے۔ مٹکے سر پر اُٹھا کر لے جاتے۔ پیاسوں کو پانی پلاتے اور نمازیوں کو وضو کرا دیتے۔ بوڑھے آدمیوں کو دیکھتے کہ بھاری بوجھ اُٹھائے جا رہے ہیں تو اُن سے چھین کر خود اُٹھا لیتے اور کوسوں دوڑتے ہوئے ساتھ چلے جاتے۔

یا مُسِک رُوحانی کن آمیزش کہ ماندی چوں تو راہ
بارِ غم بر دوشش دل منزل بمنزل مے برند

نماز کا وقت آتا تو لکڑہاروں اور سقّوں کو جمع کرتے اور جماعت کے ساتھ نماز ادا کرتے۔ کسی پیشہ ور کو دیکھتے کہ عذرِ معاش سے نماز میں شریک نہیں ہوتا، تو اپنی کمائی اس کو دے دیتے، اور منّت وزاری کے ساتھ کہتے کہ جماعت میں شریک ہو کر نماز پڑھو۔ وہ پڑھ لیتا تو ایسے خوش ہوتے گویا دنیا جہان کی بادشاہت اُس نے دے دی۔

روز بروز یہ حالت بڑھتی گئی، یہاں تک کہ عشقِ خالق اور خدمتِ خلق کے سوا اور کسی سے واسطہ نہیں رہا۔

دو عالم از اثرِ شعلۂ جمالش سوخت
جز متاعِ محبت کہ در پناہِ من ست

اسی زمانے میں اطرافِ بہار کے ایک عالی خاندان پیرزادے شیخ علائی تھے کہ علم وفضلِ ظاہری کے ساتھ مشیخت وطریقت کی شہرت وشوکت میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ اور یکتائی کے دعوے اور بے ہمتائی کے غرور میں ایسے مہیب تھے کہ علم وفضل کی بڑی بڑی سرکش گردنوں کو اُن کے سامنے بے اختیار جُھک جانا پڑتا تھا۔ مدتوں طرح طرح کی سخت ریاضتیں کی تھیں۔ عوام وخواص میں اُن کے مجاہدات کی دھوم تھی۔ بایں ہمہ نفس پرستی کا یہ حال تھا کہ فقیری کے سجادے پر فرعونیت کا تاج پہن کر بیٹھے تھے، اور جس عالم وصوفی کی طرف لوگوں کو ذرا بھی مائل پاتے تھے، فوراً اپنے مریدوں کی فوج لے کر چڑھ دوڑتے تھے۔ کبھی بحث ومناظرہ کے زور سے، کبھی سوءِ

اعتقاد کے الزام سے، کبھی اور کوئی حیلہ و بہانہ کر کے اس طرح ذلیل و رسوا کر دیتے کہ غریب شہر چھوڑنے پر مجبور ہو جاتا۔

ایک دنیادار فاسق اور دنیا پرست عالم میں یہی فرق ہے کہ یہ اپنی ہوا پرستیوں کو اعترافِ فسق کے ساتھ انجام دیتا ہے، اور دوسرا دین داری اور احتسابِ شرعی کی ظاہر فریبی سے۔

تا بنا بیت ما ہنر پنداشتیم
عاشقی ہم ننگ و عالے پردہ ست

شیخ علائی کا خاندان بھی عرصے سے بیانہ میں مقیم تھا۔ قضارا ایک دن شیخ نیازی سے مڈبھیڑ ہوگئی۔ ان کا طور طریق دیکھا تو اور ہی عالم نظر آیا۔ اور پہلی ہی نظر میں گھائل ہوگئے۔ اپنے مریدوں سے کہا۔ خدا پرستی کی اصلی راہ یہ ہے۔ آج تک جو کچھ ہم کرتے رہے، وہ خدا پرستی کے نام سے نفس پروری اور بُت پرستی تھی۔ میں تو اس فقیرِ بے نوا کا ساتھ دیتا ہوں۔ جس کو اللہ کی طلب ہو میرا ساتھ دے۔

آں دل کہ رم نمودے از خوبرو جوالاں
دیرینہ سال پیرے بردش بیک نگاہے

شیخ نیازی سے پوچھا کہ طالبِ حق کی راہ کیا ہے۔ کہا کہ اپنا سب کچھ لٹا دو اور متاعِ عجز وشکستگی اور سرمایۂ نامرادی وخود فروشی کے سوا کچھ باقی نہ چھوڑو۔

دع نفسك ثم تعال سه

عشقِ بتان وخویشتن فروش
کہ ازیں خوب تر تجارت نیست

اس کے بعد شیخ کی حالت ہی کچھ اور ہوگئی۔ آباؤ اجداد کے سجادہ مشیخت و مسندِ علم کو مع اُن کے تمام ساز و سامان، غرور و پندار کے تاراج کر کے شیخ نیازی کے ساتھ ہو لئے۔ سامان واسباب دُنیوی میں سے کوئی چیز باقی نہیں چھوڑی یا خود پرستیوں کا یہ حال تھا کہ اپنے سامنے کسی کو کوئی چیز نہیں سمجھتے تھے، یا اب خاکساری اور بے نوائی کا یہ حال ہوا کہ مسلمانوں کی جوتیاں سیدھی کرنے میں بھی عار نہ تھا۔

جن جن لوگوں سے لڑتے جھگڑتے تھے، ایک ایک کے پاس جا کر اور ہاتھ جوڑ جوڑ کر معافیاں مانگیں۔

رفتہ رفتہ سختی بکشاں عشق کی ایک بڑی جماعت شریکِ حال ہو گئی۔ لوگ گھر بار لُٹاتے اور اُن کے ساتھ آ آ کر شریک ہو جاتے۔

یہ لوگ بیانہ سے باہر اسی ویران باغ میں رہتے تھے۔ زن و فرزند، خویش و بیگانہ، خانہ و وطن کسی چیز سے لگاؤ نہ تھا۔ کچھ لوگ دن کو نکل جاتے۔ محنت مزدوری کرتے۔ جو کچھ ملتا، اس میں سے دسواں حصہ راہِ خدا میں صرف کر دیتے۔ باقی لے کر شام کو آتے۔ ایک گھرانے کے بھائیوں کی طرح مِل جُل کر کھا لیتے اور اپنے عشق میں مست رہتے۔ کچھ لوگ صبح ہوتے ہی شہر کی راہ لیتے۔ بیماروں کی تیمارداری کرتے۔ کمزوروں اور معذوروں کی روٹی پکا دیتے۔ بیوہ عورتوں کا سودا سلف بازار سے لا دیتے۔ دو شخصوں کو آپس میں لڑتے دیکھتے تو منتیں کر کے صلح صفائی کرا دیتے۔ نہ مانتے تو کہتے کہ ہم کو مار ڈالو مگر آپس میں میل ملاپ کر لو۔

استغنا اور قناعت کا یہ حال تھا کہ کئی کئی دن گزر جاتے اور کچھ میسّر نہ آتا، لیکن دلوں کی بے فکری اور چہروں کی خوش حالی دیکھ کر گمان ہوتا کہ ابھی شکم سیر ہو کر اُٹھے ہیں یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ۔

بھوک کا بہت غلبہ ہوتا تو نماز شروع کر دیتے، اور سلام پھیر کر اُٹھتے تو شہنشاہوں کی بے نیازی چہروں سے ٹپکتی۔

ساتھ ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا یہ حال تھا کہ ہر فرد ہمیشہ مسلح رہتا، اور جب کبھی کسی فعل منکر کو دیکھتا تو فلیغیرہ بیدہ پر عمل کر کے [illegible] روک دیتا۔

اس پر صبر و ثبات کا یہ حال تھا کہ ملامتیں سُنتے، گالیاں کھاتے، فاقے کھینچتے، زخمی ہوتے، مگر اپنے کام سے باز نہ آتے۔ وہ کہتے کہ گالیوں میں ہمیں وہ مزا ملتا ہے جو تم کو دعاؤں میں نہیں ملتا۔

ان کی جماعت کے ایک شخص کو سات مرتبہ جلا وطن کیا گیا۔ ہر مرتبہ یہی کہتا رہا کہ ایک بار اور کر دیکھو۔

صبح و شام سب ایک جگہ جمع ہو کر بیٹھتے اور شیخ علائی قرآن حکیم کی تفسیر بیان کرتے۔ دل کے عشق اور باطن کے سوز و گداز نے اُن کے بیان میں کچھ ایسی تاثیر پیدا کر دی تھی کہ زبان سے الفاظ تیر و نشتر بن کر نکلتے اور سُننے والے دل تھام کر رہ جاتے۔ کیسا ہی سیاہ باطن اور سنگ دل کیوں نہ ہوتا، لیکن اُن کی زبان سے ایک آیتِ قرآنی کا وعظ سُن کر ایسا خود رفتہ ہو جاتا کہ وہیں کھڑے کھڑے اپنا تمام گھر بار لٹا دیتا۔

مُلّا بدایونی لکھتے ہیں:

شیخ علائی را نفس گیرائی مؤثر چناں بود کہ در وقتِ تفسیرِ قرآن از ہر کسے کہ مے شنید، اکثرے خود دست از کار و بارِ دنیوی باز داشتہ آں صحبت اختیار مے کردند و ترکِ خانماں و عیال و اطفال نمودہ و بر شدّتِ فقر و فاقہ صبر کردہ دیگر پیرامون کسب و کارِ خویش نمے گشتند۔ (جلد اوّل ص ۳۹۷)۔

اسی کے قریب طبقاتِ اکبری میں ہے:

ہر روز در وقتِ نماز تفسیرِ قرآن مجید بنوعے مے گفت کہ ہر کس کہ در مجلسِ او حاضر مے بود اصلاً پئے کارِ خود نمے رفت و ترکِ اہل و عیال کردہ داخلِ دائرہ مہدویہ مے گشت، یا از معاصی تائب شدہ مریدے گردید و اگر کشت و زراعت یا تجارت میکرد، یک دہ صرفِ راہِ خدا مے نمود (ص ۲۱)۔

مُلّا بدایونی ایک دوسرے موقعہ پر لکھتے ہیں کہ شیخ نیازی کی صحبت اختیار کرتے ہی فہم و تدبّرِ قرآن کی ایک نئی راہ[1] اُن پر کھل گئی تھی۔

[1] بالکل صحیح ہے۔ اب تک جس قدر پڑھتے پڑھاتے رہے تھے، بیضاوی اور بغوی کی ورق گردانی تھی یا غرورِ نفس کا بے ہودہ لاف و گزاف۔ اس سے قرآن کی حقیقت کب کھل سکتی ہے۔ اس کیلئے تو جبرئیلِ عشق کے فیضان اور دل دردمند کے الہام کی ضرورت ہے۔ یہ شیخ نیازی کی (بقیہ برصفحہ آئندہ)

معانی قرآن و نکات و دقائق و حقائقِ آں بآسانی برو مکشوف گشت۔

تھوڑے ہی عرصہ میں ہزاروں خاندان اس گروہ میں داخل ہو گئے۔ تمام گجرات و مالوہ و دکن میں ہر طرف اسی جماعت کا غلغلہ تھا۔ دین داری و پرہیزگاری کا جوش اس طرح پھیلا کہ شہروں میں نماز کے وقت سناٹا چھا جاتا اور مسجدوں کے سوا کہیں آدمی نظر نہ پڑتا۔

مُلّا عبد القادر بدایونی نے بچپن میں شیخ علائی کو دیکھا تھا۔ وہ لکھتے ہیں کہ حج کے ارادہ سے نکلے تو سات سو خاندان ساتھ تھے۔ میرے والد پشاور گئے اور وہاں شیخ کی زیارت کی۔ ایک ایسے گروہ کو بھلا علماءِ دُنیا اور فقہاءِ سوء کب چین سے بیٹھنے دے سکتے تھے۔ چوروں اور قاتلوں کو ان لوگوں سے امن مل سکتا ہے مگر مصلحینِ اُمت اور عشاقِ حق کے لئے امن و انصاف کہاں؟ ؎

خونے نہ کردہ ایم و کسے را نہ کشتہ ایم
جُرمم ہمیں کہ عاشقِ روئے تو گشتہ ایم

۹۵۶ھ (نو سو چھپن) میں جب سلیم شاہ آگرہ میں مسند نشین ہوا اور مخدوم الملک مُلّا عبد اللہ سلطان پوری (متوفی ۹۹۰ھ) کی شیخ الاسلامی کا دور دورہ ہوا، تو مُلّا موصوف نے اس جماعت کے قتل و اذیت پر کمر باندھی۔ عوام کو یہ کہہ کر برانگیختہ کیا کہ یہ لوگ گمراہ اور بدعقیدہ ہیں۔ اور سلیم شاہ کو یہ بات سوجھائی کہ جب سید محمد مہدی ہوئے، تو تمہاری حکومت کہاں باقی رہی۔ روایتوں میں آیا ہے کہ مہدی موعود تمام دنیا پر حکومت کرے گا۔ یہ لوگ مہدی کے پیرو ہیں تو کم از کم ہندوستان پر تو قبضہ کرنے کی ٹھانے ہوتے ہوں گے۔

(حاشیہ صفحہ گذشتہ) صحبت نے اسی بند دروازے کو کھول دیا۔
دل میں سما گئی ہیں قیامت کی شوخیاں دو چار دن رہا تھا کسی کی نگاہ میں۔ ۱۲ منہ

(حاشیہ صفحہ ہٰذا) ۱؎ وہی عوام جو آج بھی کسی کو اپنی مزعوماتِ باطلہ، رسوماتِ قبیحہ اور رواجاتِ مہلکہ کا مخالف پاتے ہیں تو وہ خود ہی یا اپنے جیسے کسی مولوی نما سے اس کے متعلق وہابیت وغیرہ کا فتویٰ صادر کرا دیتے ہیں۔ محمد میاں

مخدوم الملک ایں معنی با قبح وجوہ خاطر نشین سلیم شاہ نمودہ کہ ایں مرد دعوائے مہدویت مے کند، و مہدی بادشاہ تمام روئے زمین خواہد شد و تمام لشکر تو باایں گرویدہ است و احتمال خلل در ملک است (طبقات اکبری صفحہ ۲۳۸)

حالانکہ شیخ علائی اور نیازی خود مدعی مہدویت نہ تھے بلکہ سید محمد کو مہدی کہتے تھے اور اُن تمام روایات کی تاویل کرتے تھے جن میں مہدی کی بادشاہت وغیرہ کا ذکر ہے۔ بنیاد اُن کے عقیدہ کی یہ تھی کہ مہدی اور اس کی جماعت اپنے علم و فعل سے احیاءِ شریعت کرے گی۔ حکمرانی اُس کے لئے ضروری نہیں۔

اس میں شک نہیں کہ یہ تاویل صحیح نہ تھی۔ روایاتِ مشہورہ کے الفاظ اور تصریحاتِ احادیث اس کے بالکل مخالف ہیں۔ لیکن یہ ظاہر ہے کہ اس تاویل کے اعتقاد سے وہ جماعت خود ہی حکومت سے دست بردار ہو گئی تھی۔ پھر اُس کی نسبت یہ الزام کیسا صریح اتہام تھا۔ لیکن چونکہ بغیر سیاسی خطرہ کے سلیم شاہ برانگیختہ نہیں ہو سکتا تھا اسلئے مخدوم الملک وغیرہ نے اسی سُنّتِ قدیمہ علماءِ سوء کو اختیار کیا اور سلیم شاہ کہ ایک سادہ لوح افغان تھا فوراً آمادۂ مخالفت ہو گیا۔

منتخب التواریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ مخدوم الملک نے شیخ کے واجب القتل ہونے کے مقدمات یوں ترتیب دیئے تھے۔

ایں مبتدع دعوائے مہدویت میکند۔ و مہدی خود پادشاہ روئے زمین خواہد شد و چوں سر خروج دارد، واجب القتل ست (جلد اوّل صفحہ ۴۰۰)۔

بعد کے حالات بہت طولانی ہیں۔ مختصر یہ کہ مخدوم الملک نے سلیم شاہ سے فرمان جاری کرا کے شیخ علائی کو آگرہ طلب کرایا۔ اور اکثر مشاہیر علماء عہد مثلاً سید رفیع الدین محدث، شیخ ابو الفتح تھانیسری کو بھی بحث و مباحثہ کے لئے طلب کئے گئے۔ شیخ علائی اپنے ساتھیوں کے ساتھ دربار میں پہنچے تو پھٹے پُرانے کپڑوں اور فقیرانہ و نامرادانہ وضع و صورت میں درویشوں کی ایک شکستہ حال جماعت تھی۔ لیکن کبر و علوِ حق کا یہ حال تھا کہ صرف

سلام مسنون کرکے ایک گوشہ میں بیٹھ گئے اور تمام دربار پر اس حقارت و بے پروائی سے نظر ڈالی گویا مغرور انسانوں کی جگہ پتھروں کا ڈھیر ہے۔ یہ خود داری سلیم شاہ پر بہت گراں گذری۔ بحث شروع ہوئی تو سب سے پہلے شیخ علائی نے قرآنِ حکیم کی چند آیات تلاوت کیں اور اُن کی تفسیر کا وعظ شروع کر دیا کہ :

جُز نغمۂ محبت سازم نوا نہ دارد

بدایونی لکھتے ہیں کہ وعظ کا مضمون زیادہ تر مذمتِ دنیا، حالاتِ آخرت، اہانتِ علماء دُنیا اور فرائض اُمراء و سلاطین پر مشتمل تھا، اور کچھ ایسا پُر تاثیر اور درد انگیز طرزِ بیان تھا کہ اِدھر شیخ کی زبان سے الفاظ نکل رہے تھے، اُدھر تمام مجمع کی سنگ دلی موم کی طرح پگھل رہی تھی۔ خود سلیم شاہ اور اس کے اُمراء کا یہ حال ہُوا کہ باوجود کمال قساوتِ قلبی و حق فراموشی کے ضبط نہ کر سکے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

سرشکِ گرم کی حِدّت کو پوچھو مرے دامن سے اپنی آستیں سے

یہ حال دیکھ کر سلیم شاہ کا خیال پلٹ گیا اور بے اختیار ہو کر شیخ کی نہایت تعظیم و تکریم بجا لایا۔ پوچھا کہ باوجود ان کمالات و فضائل کے کیا سبب ہے کہ لوگ تمہارے مخالف ہیں؟ بھلا شیخ علائی اس کا کیا جواب دیتے۔

دل را کہ نو مقیدِ زندانِ حسرت ست

جُز عرضِ عشق ہیچ گناہے دِگر نبود

حکم دیا کہ شیخ کے لئے طعامِ خاصہ سے کھانا بھیجا جائے لیکن شیخ نے نہیں کھایا۔ اور فرمایا :

"طعامِ تو حقِ مسلمانان ست کہ بخلافِ شرع زیادہ از حقِ خود متصرف شدہ"[1]

دوسرے دن مباحثہ ہُوا۔ تمام علماء دربار ایک طرف اور یہ درویشِ بے نوا

---

[1] تمہارا کھانا تمام مسلمانوں کا حق ہے۔ تم اپنے واجبی حصّہ سے زیادہ خلافِ شرع اپنے تصرّف میں لا رہے ہو۔

ایک طرف تھا۔ لیکن جو شخص زبان کھولتا تھا، چند منٹوں میں ذلیل و رسوا ہو کر لاجواب ہو جاتا تھا۔ مخدوم الملک کو تو بات تک کرنے نہ دی۔ بار بار اس کو مخاطب کر کے کہتا۔ "تو از علماء دُنیائی و دزدِ دینی و مرتکبِ چندیں نامشروعاتی بشابہ کہ از دائرہ عدالت خارج افتادہ، ہنوز آواز سرود و ساز از خانہ[2] تو علانیہ مے شنوند (منتخب التواریخ ج ۱ ص ۴۰۷)

مباحثہ کا رنگ دیکھ کر سلیم شاہ کو یقین ہو گیا کہ تمام علماء بلا وجہ ایک مردِ درویش حق پرست کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔ تاہم مجبور تھا، رعایا انہیں لوگوں کے ہاتھوں میں تھی اور معاملہ مذہبی تھا جس میں خود دخل صحیح نہیں سکتا تھا۔

ساتھ ہی روز خبریں اُڑنے لگیں کہ آج فلاں سردار، شیخ کا مرید ہو گیا۔ اور کل فلاں امیر نے اُن کا وعظ سُن کر گھر بار لُٹا دیا۔ آخر الامر سلیم شاہ نے صرف حکمِ جلاوطنی پر کفایت کی، اور شیخ کو دکن چلے جانے کا حکم دیا۔ شیخ نے اِنَّ ارضَ اللهِ واسعةٌ پڑھا اور دکن کی راہ لی۔

لیکن صرف اتنی ہی سزا سے علماء دنیا کی خون آشام پیاس کب بجھنے والی تھی؟ چند دنوں کے بعد موقع پا کر اُبھارا، اور طرح طرح کے اشتعال انگیز قصے سُنا کر شیخ علائی کے قتل پر آمادہ کرنا چاہا۔ بڑا جرم شیخ علائی کا یہ تھا کہ جہاں جاتا ہے، ایک دُنیا اس کے ساتھ ہو جاتی ہے۔ دکن کی طرف جلا وطن کر کے بھیجا تو وہاں بھی بہار خاں حاکمِ ہنڈیہ اور اطرافِ دکن کے ہزارہا آدمی معتقد و مرید ہو گئے۔ بالآخر شیخ علائی کو دوبارہ آگرہ طلب کیا گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سلیم شاہ نے علماء دار الحکومت خصوصاً مخدوم الملک کی خود غرضیوں اور حسد و عناد کو اس بارے میں محسوس کر لیا تھا، اور سمجھ چکا تھا کہ ان لوگوں کی رائے

---

[1] تو دنیا پرست عالم اور دین کا چور ہے۔ چند نامشروع اور ناجائز اُمور پر تیرا عمل ہے جس کی وجہ سے تو دائرہ عدالت سے تو خارج ہو چکا (یعنی تو فاسق و فاجر ہے) اب تک گانے بجانے کی آواز علانیہ تیرے مکان سے سُنی جاتی ہے۔ [2] یہ رقص و سرود بھی جس کو چشتیت کی چادر اُڑھائی جاتی تھی اس قسم کے سینکڑوں مظلوموں کے خونِ ناحق کا سبب بنا۔

بے لاگ نہیں ہے۔ اس لئے اس مرتبہ شیخ کو شیخ بڈھا[1] بہاری کے پاس بھجوایا کہ مشہور علماء وقت سے تھے اور لکھا کہ جو فیصلہ آپ کا ہو، اُسی پر عمل کیا جائے۔

بدایونی لکھتے ہیں کہ پہلے تو شیخ بڈھا نے ایک حق پرستانہ تحریر لکھی جس کا مضمون یہ تھا کہ مسئلۂ مہدویت موقوف علیہ ایمان و اسلام نہیں۔ تعیینِ علاماتِ مہدی میں مختلف روایتیں وارد اور سخت اختلاف واقع ہے۔ صرف اتنی سی بات پر ایک عالمِ حق کی تکفیر و تعزیر جائز نہیں۔ لیکن افسوس کہ بعد کو دنیا پرستی مانع آئی۔ اُن کے لڑکوں نے سمجھایا کہ آج کل مخدوم الملک کی شیخ الاسلامی ہے، اس کے خلاف رائے دینا ٹھیک نہیں۔ اگر اُس نے سلیم شاہ سے کہہ کر تم کو اس مسئلہ کی تحقیق کے لئے آگرہ طلب کرایا، تو اس بڑھاپے میں بے کار سفر کی زحمت اُٹھاؤ گے۔ یہ بات شیخ بڈھا کے دل پر اثر کر گئی اور پہلی تحریر چاک کرکے دوسرا مراسلہ اس مضمون کا بھیج دیا:

"مخدوم الملک امروز از علماء محققین ست۔ سخن سخن او، و فتوے فتوے اوست۔"

اُسی کی سی کہنے لگے اہلِ حشر　　کہیں پرسشِ دادخواہاں نہیں

سلیم شاہ کے دل پر شیخ علائی کی حق پرستی کا زخم لگ چکا تھا مگر خود عالم نہ تھا

---

[1] شیخ بڈھا اُس زمانہ کے اکابر علماء میں تسلیم کئے جاتے تھے۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ شیر شاہ ان کی جوتیاں سیدھی کرتا تھا۔ اور ارشاد قاضی پر ایک عمدہ شرح بھی آپ نے لکھی تھی۔ بایں ہمہ حال یہ تھا کہ جب شیخ علائی شاہی حراست میں اُن کے مکان پر پہنچے تو "از اندرونِ خانہ آوازِ سرود و ساز شنیدند و بعضے مکارہ طبعی و شرعی دیگر نیز کہ ذکر آں استماع نے صریح دارد، در مجلس او دیدند و بے اختیار امر معروف و نہی منکر کردند" (تذکرہ صلا)۔ مولانا ابوالکلام آزاد اس کے بعد تحریر فرماتے ہیں۔ کاش شیخ بڈھا علم نہ پڑھتے نہ ارشادِ قاضی کی شرح نہ لکھتے، جنگل میں لکڑیاں کاٹتے اور سر پر اُٹھا کر بازار میں بیچتے مگر حق گوئی سے زبان نہ روکتے، تو ہزار درجہ اس مولویت و مشیخت اور شرح نویسی کی زندگی سے اللہ کے نزدیک محبوب و مقرب ہوتے۔

عشق تو قائم نہ ہوا آپ سے　　اور ہی کچھ پیشہ کیا چاہئے

چاہتا تھا کہ اگر ایک عالمِ حق گو کا سہارا بھی مل جائے تو شیخ کو علماء سوء کے پنجے سے چھڑا لے۔ لیکن افسوس کہ سب نفس و دُنیا کے پجاری نکلے۔

جب شیخ بڈھا نے بھی مخدوم الملک کی تائید کی تو بالکل مجبور ہوگیا اور شیخ کا معاملہ مخدوم الملک کے حوالہ کر دیا۔ شیخ علائی اس وقت سخت بیمار تھے۔ گلے میں ایک بہت بڑا زخم تھا، اور بہار تک سفر کرنے کی زحمت نے نیم جاں کر دیا تھا۔ مخدوم الملک نے حکم دیا کہ کوڑے لگوائے جائیں۔ جلّاد نے تیسری ضرب لگائی تھی کہ اس شہیدِ حق کی رُوح پرواز کر گئی۔

فِی مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ۔ مُلّا عبدالقادر بدایونی نے ذَاکِرِ اللہ اور سقاهم ربهم شرابًا طهورًا سے تاریخ وفات نکالی، کہ ۹۵۷ھ (نو سو ستاون سال ہجری) ہے۔

بجرمِ عشق اگر کشتی مرا ممنونِ احسانم
گناہِ زاہدِ بے درد یا رب چیست حیرانم

افسوس مرنے کے بعد بھی ظالموں کو تسکین نہ ہوئی اور اس فنا فی الحق کی نعش کے ساتھ وہ سلوک کیا گیا جو بدر و اُحد کے مقتول کفار کے ساتھ بھی نہیں کیا گیا تھا۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ ہاتھی کے پاؤں سے باندھ کر نعش کو چِروایا گیا، اور اس کے ٹکڑوں کی تمام لشکر میں تشہیر کی۔ پھر حکم کیا کہ دفن نہ کیا جائے، اور اس غرض سے پہرہ بٹھا دیا گیا۔

شیخ عبداللہ نیازی کا سانحہ

یہ سرگزشت تو شیخ علائی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے۔ اُن کے پیر حضرت شیخ عبداللہ نیازی کا واقعہ بھی اس سے کم درد انگیز اور عبرت خیز نہیں۔ بدایونی لکھتے ہیں کہ جب شیخ علائی دکن کی جانب جلاوطن کر دیئے گئے تو اس کے کچھ عرصہ بعد سلیم شاہ سرحدی افغانوں کی سازش کا حال سُن کر پنجاب کی جانب روانہ ہوا۔ جب بیانہ کے قریب شاہی لشکر پہنچا تو مخدوم الملک نے کہ پیوستہ و کمربستہ خاصانِ حق کی اذیت و ہلاکت کی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتے تھے، موقع کو غنیمت

سمجھا اور سلیم شاہ سے کہا :

"از فتنۂ صغیر کہ عبارت از شیخ علائیؒ باشد، خلاصی یافتیم اما فتنۂ عظیم ہنوز بر پاست۔"

سلیم شاہ نے پوچھا۔ وہ کون ؟ کہا۔ شیخ عبداللہ نیازی کہ یہیں بیانہ میں مقیم ہے اور شیخ علائیؒ کا پیر ہے۔

سلیم شاہ نے میاں بہوہ لوحانی ، حاکم بیانہ کو حکم بھیجا کہ فوراً شیخ کو حاضر لشکر کرو۔ میاں بہوہ ، شیخ کا مرید تھا۔ اُس نے شیخ کو بہت سمجھایا کہ آپ یہاں سے راتوں رات نکل جائیں۔ مَیں کوئی بہانہ کر دوں گا۔ لیکن شیخ نے کہا۔

"ارادۂ خداوندی در حال و استقبال و آنجا و اینجا مساوی ست ،

تا ہر چہ مقدر ست خواہد رسید۔"

مجبوراً شیخ کو ہمراہ لیا اور لشکر شاہی میں پہنچے۔ سلیم شاہ سوار کوچ کے لئے تیار کھڑا تھا۔ شیخ عبداللہ سامنے پہنچے تو بے باکانہ گردن اُٹھائے جا کھڑے ہوئے — اور السلام علیکم کہا۔ میاں بہوہ نے کہ کسی طرح سلیم شاہ کے غیظ و غضب سے ان کو بچانا چاہتا تھا ، گردن پکڑ کر جھکا دی اور کہا۔ " بادشاہوں کو یوں نہیں ، یوں سلام کرتے ہیں۔ اس پر شیخ نے گرج کر کہا۔ جو سلام کہ سنت ہے اور صحابہؓ اللہ کے رسول کے سامنے کیا کرتے تھے ، یہی ہے۔ اس کے سوا میں اور کوئی سلام نہیں جانتا۔ سلیم شاہ نے غضب ناک ہو کر اشارہ کیا ، اور لشکریوں نے لاٹھیوں ، کوڑوں ، مکوں اور لاتوں سے پیٹنا شروع کر دیا ، یہاں تک کہ بے ہوش ہو گئے۔ جب تک ہوش رہا یہ آیتِ قرآنی وردِ زبان تھی۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

سلیم شاہ نے جب شیخ کو یہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو پوچھا۔ کیا کہتا ہے مخدوم الملک نے کہا۔ " شمارا و مارا کافر مے گوید۔ اِس پر اُس کو اور زیادہ طیش آیا اور جب تک

موت کا یقین نہ ہو گیا ، برابر زد و کوب کا حکم دیتا رہا۔

جاہلیت ہر آئینہ خواہد فتن اندر غمِ عشق تو ردو ادلےتر

مخدوم الملک | وہی عبداللہ انصاری ہیں جنہوں نے اسی شیخ الاسلامی کے زمانہ میں اتنا سونا جمع کیا تھا کہ گنجیوں کا شمار بھی نہ تھا۔ اور صرف گھر کے صندوق ہی نہیں بلکہ ان کے مرنے کے بعد جب حویلی کی تفتیش ہوئی تھی تو جن قبروں میں خاندانِ والا کے مزارات بنائے جاتے تھے ، اُن میں سونے کی اینٹیں بھی مدفون تھیں۔ ادائیگی زکوٰۃ تو آپ کے لئے بہت دشوار تھی لیکن اس فرض سے سبک دوش ہونا بھی آپکے علم و فضل کا تقاضہ تھا جس کے لئے آپ کی ذکاوت نے یہ جدت پیدا کی تھی کہ ہر گیارھویں مہینے میاں بیوی کو ، اور پھر آپ کی بیوی آپ کو یہ دولت عطا کرتی تھی۔

پھر عہدِ اکبری میں یہی مخدوم الملک تھے جو دنیا ہی میں شکنجۂ مکافات و پاداشِ عمل میں جکڑے گئے۔ ابو الفضل اور فیضی کے والد مُلّا مبارک ناگوری بھی ان کی دستِ درازیوں کا شکار ہو چکے تھے۔ جب دربارِ اکبری میں مُلّا مبارک کو رسوخ حاصل ہوا تو پیشوائی اور شیخ الاسلامی تو ایک طرف عزت اور آبرو سے بڑھاپا بھی بسر نہ کر سکے۔ یا تو یہ حال تھا کہ ان کے قلمِ شیخ الاسلامی کی ایک گردش اہل اللہ کی زندگیوں کا فیصلہ کر دیتی تھی ، یا یہ یوم العذاب دیکھنا پڑا کہ حاجی ابراہیم سرہندی اور شیخ ابوالفضل جیسے نوخیز بھری مجلس میں اُن کے فسق و فجور کا فیصلہ کرنے لگے ، اور عمر بھر کی بداعمالیوں کا ایک ایک کرکے حساب دینا پڑا۔

شیخ عبدالنبی دنیا پرستی میں ان کے رقیب تھے۔ آپس میں خوب خوب ایک دوسرے کے برخلاف پمفلٹ بازی ہوتی رہی۔ اکبر نے مجبور ہو کر ان دونوں کو زبردستی حج کے لئے بھیج دیا۔ تین سال تک حجازِ مقدس میں رہے ، وہاں بھی یہی گندگی اُچھالتے رہے۔ پھر واپس آئے تو بقول صاحب خزینۃ الاصفیاء اکبر نے اُن زہر دلوا کر مروا دیا۔ لیکن سال وفات خزینۃ الاصفیاء میں ایک ہزار چھ ۱۰۰۶ تحریر کیا ہے۔ یہ غلط ہے۔ مُلّا عبدالقادر